۳۲

اب زیادہ سے زیادہ قربانیوں کے لئے تیار ہو جاؤ

(فرمودہ ۲۳؍اگست ۱۹۳۵ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے گزشتہ سے پیوستہ جمعہ میں یہ ذکر کیا تھا کہ جماعت کو دو طریق سے فتح حاصل ہوسکتی ہے۔ ایک طریق تو تدبیر ہے جہاں تک اس کا تقاضا شریعت نے کیا ہے اور دوسرے تقدیر جہاں تک کہ اس کے حصول کے لئے شریعت نے ہمیں ذرائع مہیا کر کے دیئے ہیں۔ تدبیر کے متعلق مَیں ایک حد تک اپنے خیالات کا پچھلے دو جمعوں میں اظہار کر چکا ہوں لیکن تقدیر کا حصہ ایک حد تک مزید تشریح کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ دنیا میں دو قسم کے تغیرات پیدا کیا کرتا ہے ایک طبعی اور ایک شرعی۔ جتنے تغیرات دنیا میں نظر آئیں گے وہ انہی دو قسموں میں سے ہونگے۔ طبعی تغیرات تو وہ ہوں گے جن کے موجب اور اسباب ایسے افعال میں یا ایسے تغیرات میں ملتے ہونگے جن کا طبعی نتیجہ اسی قسم کا ظاہر ہونا ہمیشہ سے مقدر ہے مثلاً کوئی شخص علم پڑھتا ہے اس کا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کر لیتا ہے، ایک قوم تجارت میں ترقی کرنے کی جدوجہد کرتی ہے اور اس کے نتیجہ میں بہت بڑی تاجر قوم بن جاتی ہے، یا کوئی قوم زراعت میں کوشش کرتی ہے اور اس میں ترقی کر جاتی ہے، یا کوئی قوم مختلف پیشوں کے حصول کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور پیشہ ور بن جاتی ہے، یا جو اقوام کوشش نہیں کرتیں وہ گر جاتی ہیں جو قومیں دنیا میں تمدن کو پھیلانے کی کوشش کرتی ہیں وہ حاکم و بادشاہ بن جاتی ہیں اور جو نہیں کرتیں وہ اس کے مقابل میں ذلیل اور رُسوا ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسے طبعی تغیر ہیں جو ہر جگہ اور ہر گھر میں نظر آتے

ہیں لیکن جب کبھی طبعی تغیر ایسے مقام پر جا پہنچتا ہے کہ اس سے شریعت مخفی ہو جاتی یا مٹ جاتی ہے یا روحانیت خطرہ میں پڑ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ دنیا کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ یوں تو ہمیشہ ہی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے مگر وہ لوگوں کو ڈھیل دے دیتا ہے مگر جب بگاڑ اور فساد بہت بڑھ جاتا ہے تو پھر وہ اپنا مأمور بھیجتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا میں شرعی تغیرات پیدا کرتا ہے اور شرعی تغیرات کے نتائج ان تغیرات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو اسباب کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

مثلاً پانی کے گھڑے میں اگر دو تین سیر مصری ڈال دی جائے تو شربت بن جائے گا لیکن ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ ایک طبعی تغیر ہے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ مصری کی ایک خاص مقدار کو اتنے پانی میں ملا دو تو وہ شربت میں تبدیل ہو جائے گا لیکن اگر کوئی پانی کے گھڑے میں ایک چٹکی مصری کی ڈال دے اور وہ شربت بن جائے تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ یہ طبعی نتیجہ نہیں ہے یہ کوئی غیر معمولی تقدیر ظاہر ہوئی ہے۔

انبیاء میں اس کی موٹی مثال رسول کریم ﷺ کی ہے۔ آپ نے بے شک لشکر استعمال کئے، لڑائیاں ہوئیں اور آپ نے فتوحات حاصل کیں لیکن دنیا میں اور قوموں نے بھی لشکر استعمال کئے ہیں، اوروں نے بھی فتوحات حاصل کیں ہیں لیکن ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتوحات کو معجزے اور اللہ تعالیٰ کے نشانات قرار دیتے ہیں اور دوسروں کی فتوحات کو نہیں کیونکہ ان کی فتوحات عام طبعی قانون کے نتیجہ میں تھیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ان کی ایسی حالت کبھی نہیں گزری کہ مخالفت تو ہو مگر طاقت موجود نہ ہو۔ وہ سب کے سب ایسے ہی گزرے ہیں کہ ان کے ایک حد تک بڑھ جانے کے وقت تک کوئی شخص ان کے مقابل پر نہیں آیا یا جن طاقتوں نے ابتداء میں ان کا مقابلہ کیا وہ معمولی طاقتیں تھیں مثلاً ایک کے مقابلہ میں پانچ ہو گئے مقابلہ ہوا، اس نے دو مار دیئے اور تین اس کے ساتھ شامل ہو گئے، پھر ان چار کا مقابلہ پندرہ سے ہوا انہوں نے ہمت کی، چار پانچ مار دیئے اور دس بارہ ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور اس طرح آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے وہ بادشاہ بن گئے جس طرح افغانستان کا نادرشاہ تھا۔ پہلے وہ معمولی گڈریا تھا۔ آہستہ آہستہ ایسے سامان ہو گئے کہ وہ ڈاکو بن گیا اور پھر ایک علاقہ پر قابض ہو گیا اور اس طرح بڑھتے بڑھتے افغانستان کا بادشاہ ہو گیا۔

دوسری مثال نپولین کی ہے اُس وقت اس کی قوم کو ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اُسے لڑائے۔ قوم بادشاہ سے لڑ رہی تھی اور تمام جرنیلوں کے متعلق اسے شک تھا کہ وہ بڑے آدمی ہیں،

بڑوں سے مل جائیں گے۔ اُس وقت کسی نے نپولین کا نام پیش کر دیا اور اسے آگے بڑھنے کے سامان میسر آ گئے۔ پھر تیمور اور بابر ہیں یہ گوڈا کو تو نہ تھے، بادشاہ ہی تھے مگر معمولی علاقوں کے۔ پہلے ان کی لڑائیاں اپنے اِرد گرد کے بادشاہوں سے ہوئیں اور انہیں فتوحات حاصل ہوتی گئیں اور اس طرح ان کی طاقت مضبوط ہوتی چلی گئی ان کی ابتدائی جنگیں ان جیسے قبائل کے ساتھ ہی تھیں جو ان کے برابر کے جوڑ تھے لیکن رسول کریم ﷺ تیرہ سال تک ایسے علاقہ میں رہے جہاں کا ہر شخص مسلمان کا قتل واجب اور ضروری سمجھتا تھا اور اسے ثواب کا فعل قرار دیتا تھا اور مسلمانوں کی تعداد اس قدر قلیل تھی کہ گویا قریباً ایک ہزار کے مقابل پر ایک مسلمان تھا۔ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ مکہ میں ہجرت کے وقت تک ۸۲، ۸۳ صحابہ ہی تھے اور مکہ سے جو لشکر مسلمانوں کے ساتھ لڑائیاں کرنے کے لئے نکلتے رہے ہیں اس سے کفار کی طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مہذب قوموں کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان میں سے سو میں سے چھ سپاہی مل سکتے ہیں اور اگر بڑا زور دیا جائے تو دس۔ اور جو اقوام مہذب نہیں وہ عام حالات میں سولہ اور خاص حالات میں ۲۰، ۲۲ فیصدی سپاہی دے سکتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے مقابل پر جو لشکر آتے رہے ہیں ان میں مکّہ کے سپاہی ہزار بارہ سو تک ہوتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکّہ اور گردونواح کی آبادی دس بارہ ہزار ضرور تھی اور ان کے مقابل پر مسلمان ابتداء میں تو دو تین ہی اور آخر پر ۸۲، ۸۳ تھے۔ رسول کریم ﷺ کی مخالفت ابتداء سے ہی تھی، جب آپ نے دعویٰ کیا اُسی وقت کفار نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ زندہ رکھے جانے کے قابل نہیں۔ جو عذاب صحابہ کو دیئے جاتے تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ابتداء ہی سے دیئے جاتے تھے، جب آپ کے ساتھیوں کی تعداد ۲۳، ۲۴ سے زیادہ نہ تھی اُس وقت بھی بعض عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار کر ہلاک کیا گیا تھا اور ایک مرد کی ایک ٹانگ ایک اونٹ کے ساتھ اور دوسری دوسرے سے باندھ کر اور اونٹوں کو مختلف سمتوں میں چلا کر چیر دیا گیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب مسلمانوں کو قطعاً کوئی طاقت حاصل نہ تھی کہ سمجھ لیا جائے مکہ والے مسلمانوں کی طاقت سے گھبرا گئے تھے بلکہ اس وقت مسلمان ایسے کمزور تھے کہ کفار یکدم حملہ کر کے ان سب کو مار سکتے تھے مگر باوجود سب تدابیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نہ کوئی سامان ایسا ضرور ہو جاتا تھا کہ وہ ایسا نہ کر سکتے اور ڈر جاتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوُا کہ وہ مجالس میں بیٹھے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو مار دیا جائے مگر ان میں سے کوئی شدید

دشمن کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مار دینے کے متعلق تو مجھے اتفاق ہے مگر یہ طریق جو تجویز کیا گیا ہے میں اس کی حمایت نہیں کرتا اور بس اسی میں بات رہ گئی۔ غرض اللہ تعالیٰ کوئی غیر معمولی سامان ایسے کر دیتا کہ انہیں حملہ کا موقع ہی نہ مل سکا اور اگر کسی نے کیا بھی تو اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ وہ خود ہی ڈر گیا اور خوفزدہ ہو کر رہ گیا۔ رسول کریم ﷺ ایک معاہدہ میں شریک ہوئے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ مظلوموں کی مدد کی جائے ایک شخص نے ابوجہل سے روپیہ لینا تھا وہ کسی گاؤں کا رہنے والا تھا بار بار آتا۔ مگر ابوجہل انکار کر دیتا اور وہ پھر واپس چلا جاتا۔ وہ باری باری ان سب لوگوں کے پاس گیا۔ جو اس معاہدہ میں شریک تھے مگر کسی نے اس کی حمایت کا دم نہ بھرا بلکہ سب نے یہی کہہ دیا کہ ابوجہل اتنا بڑا رئیس ہے اسے کون کچھ کہہ سکتا ہے آخر وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا آپ نے فرمایا چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور اُس مخالفت کے زمانہ میں جب کفار نے آپ کو مارنے کے لئے قسمیں کھائی ہوئی تھیں آپ اس کے ساتھ ابوجہل کے مکان پر تشریف لے گئے۔ دروازہ پر پہنچ کر دستک دی ابوجہل باہر آیا اور آپ کو اپنے دروازہ پر دیکھ کر اُس کا رنگ فق ہو گیا۔ اُس نے گھبرا کر پوچھا کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ آپ نے اس شخص کو آگے کیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے اس کا روپیہ دینا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا پھر دے دو وہ فوراً اندر گیا اور لا کر روپیہ دے دیا۔ بعد میں اس کے ساتھیوں نے اسے شرمندہ کیا کہ تم تو دوسروں کو تلقین کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کا روپیہ کسی نے دینا ہو تو نہ دے مگر خود محمد ﷺ کے آنے پر فوراً لا کر ادا کر دیا۔ ابوجہل نے کہا میں کیا کرتا میں نے جب دروازہ کھولا تو یوں معلوم ہوا کہ دو بڑے بڑے مست اونٹ آپ کے دائیں بائیں کھڑے ہیں اور اگر میں نے ذرا بھی گستاخی کی تو مجھے کھا جائیں گے۔[1] اب یہ سامان خدا کی طرف سے ہی تھا ورنہ وہاں وحشی اونٹ کہاں سے آنے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کشفی رنگ میں اسے فرشتے دکھا دیئے کہ دیکھ لو یہ ہمارے سپاہی ہیں تم ذرا بولے تو یہ تمہارا ٹینٹوا[2] دبا دیں گے، پس ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی۔ پھر آپ کو مدینہ میں لایا اور تھوڑے تھوڑے لشکروں کے ساتھ آپ کو فتوحات دیں۔ پھر آپ کی زندگی میں ایسے واقعات بھی بہت سے ہیں کہ بالکل غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ جب آپ غارِ ثور میں تھے تو دشمن بالکل سر پر پہنچ گیا اور حضرت ابوبکر گھبرا گئے کہ رسول کریم ﷺ اس کی نظر سے بچ نہیں سکیں گے اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کیا کہ گھبراہٹ

کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور دشمن سر پر پہنچ کر نا کام واپس لوٹ گیا۔[۳]

ایک یہودن نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور آپ نے ایک لقمہ اُٹھا کر منہ میں بھی ڈال لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہؤا اور آپ نے اسے پھینک دیا[۴] اب یہ بالکل غیر معمولی بات ہے عام بادشاہوں کو اس کا کسی طرح علم نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ زہر تھوڑا کھائیں اور بچ جائیں لیکن یہ نہیں کہ لقمہ منہ میں ڈالتے ہی علم ہو جائے۔

پھر ایک دفعہ یہود نے آپ کو ایک فیصلہ کرنے کے بہانہ سے بلایا اور ایسا انتظام کر دیا کہ اوپر سے بڑا سا پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً بتا دیا اور آپ بات کرتے کرتے اُٹھ کر آ گئے۔[۵] بعض روایات میں ہے کہ کسی آدمی نے آپ کو اطلاع دے دی۔ اگر یہ ہو تو بھی دشمن کے ذریعہ سے پتہ لگنا ایک نشانِ الٰہی ہے۔ غرض آپ نے واپس آ کر صحابہ سے فرمایا کہ اس مکان کی چھت کو جا کر دیکھو اور جب وہ گئے تو وہاں چکی کا پاٹ پڑا ہوا پایا۔

پھر آپ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے۔ ایک دشمن نے قسم کھائی کہ میں ضرور راستہ میں آپ کو ماردوں گا۔ راستہ میں ایک جنگل میں آپ ٹھہرے اور صحابہ اس خیال سے کہ یہاں کسی دشمن کا گزر کس طرح ہوسکتا ہے، اِدھر اُدھر چلے گئے آپ اکیلے ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے کہ اُس دشمن نے آپ کی تلوار جو درخت سے لٹک رہی تھی اُتار لی اور کہا اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا خدا۔ اتنا کہنا تھا کہ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ نے اُسے اُٹھا کر اس سے پوچھا کہ اب بتا تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ آپ کا خیال تھا کہ اس نے مجھ سے سن کر سبق حاصل کر لیا ہوگا اور یہی جواب دے گا۔ مگر اس کی حالت اُس وقت ایسی گندی تھی کہ پھر بھی اسے سمجھ نہ آئی اور اس نے یہی کہا کہ آپ ہی رحم کریں تو کریں۔ آپ نے فرمایا ابھی میں نے تمہیں سبق دیا تھا مگر پھر بھی تم نے اللہ کا نام نہیں لیا۔ جاؤ میں تم کو چھوڑتا ہوں۔[۶]

پھر اُحد کی جنگ میں دشمنوں نے آپ کو گھیر لیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات آپ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ آپ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً بتایا کہ بعض منافق رستہ میں جھاڑیوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا تھا کہ جنگل ہے اور رات کے اندھیرے میں ہم آپ کو ماردیں گے کسی کو علم بھی نہ ہو سکے گا اور اسی لئے وہ

علیحدہ ہوکر وہاں جاچھپے تھے۔آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ وہاں ان کی تلاش کرو چنانچہ وہ پکڑے گئے اوران کواقرار کرنا پڑا۔[۶] اور یہ مخالفت کا طوفان ابتداء سے ہی موجود تھا لیکن اِدھر مخالفوں کی اس قدر کثرت اور آپ کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنا اور اُدھر صحابہ کا کمزور ہونا اور پھر مقابلہ کا کوئی سامان نہ رکھنا مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ کا محفوظ رہنا اور نہ صرف سارے عرب کا بادشاہ ہو جانا بلکہ آپ کے لگائے ہوئے پودے کا اس طرح پھیلنا کہ آپ کی امت کا ساری دنیا کو فتح کرنا اتنی حیرت انگیز ترقی تھی کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ جب مسلمان بڑھتے بڑھتے ایران تک جا پہنچے تو کسریٰ نے اپنے فوجی افسروں سے کہا کہ یہ جانگلی لوگ جن کے پاس نہ کوئی سامانِ جنگ ہے نہ سامانِ بار برداری نہ کچھ کھانے پینے کے لئے ہے کیا تم ان کو بھی شکست نہیں دے سکتے ، اچھا بلاؤ ، میں ان کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیتا ہوں ۔ چنانچہ اسلامی کیمپ میں یہ اطلاع بھیجی گئی اس پر بعض صحابہ اس کے دربار میں گئے ،تو اس نے کہا کہ تم وحشی لوگ گوہ کا گوشت کھانے والے، ماؤں سے شادیاں کر لینے والے، چوراور ڈاکو ہو تمہیں ہمارے مقابل پر آنے کی جرأت کیسے ہوئی اور کیا سوجھی کہ ایران فتح کریں مگر میں اب بھی تمہیں انعام دے کر واپس کرنا چاہتا ہوں ۔تمہارے افسروں کے لئے کچھ زیادہ اور سپاہیوں کے لئے اس سے کم مقرر کر دیا ہے یہ لےلو اور واپس چلے جاؤ۔مسلمانوں کے امیرِ وفد نے کہا کہ تم جو کچھ ہمارے متعلق کہتے ہو سب سچ ہے مگر اب ہماری وہ حالت نہیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا اور اپنا رسول ہم میں بھیجا ہے جس نے ہمارے نقطہءنگاہ کو ہی بدل دیا ہے۔اُس وقت ایرانی لڑائی چھیڑ چکے تھے اس لئے امیرِ وفد نے کہا کہ اب تو سوائے اس کے کہ یا تم مسلمان ہو کر ہماری پناہ میں آ جاؤ یا ہم تلوار سے تمہیں فتح کرلیں اور کوئی صورت باقی نہیں ۔کسریٰ نے حکم دیا کہ مٹی کا تھیلا بھر کر لایا جائے اور پھر اس نے وہ امیرِ وفد کے سر پر رکھواتے ہوئے کہا کہ جاؤ اس کے سوا اب تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ آؤ ایران کے بادشاہ نے اپنا ملک اپنے ہاتھ سے ہمارے حوالے کر دیا ہے۔[۷] مشرک بہت وہمی ہوتا ہے اس بات کا اُس پر اتنا اثر ہوا کہ اُس نے کہا ان کو پکڑ کر ان سے مٹی کا تھیلا چھین لیا جائے۔اس کے آدمی دَوڑے مگر عربی گھوڑوں تک کون پہنچ سکتا تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے ایسے غیر معمولی سامان آنحضرت ﷺ کی فتح کے پیدا کر دیئے کہ سوائے تقدیر کے کوئی اور وجہ اس کی نہیں بتائی

جا سکتی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پہلے دن جو آواز بلند کی اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا تھا کہ میری فتح ہوگی۔

نپولین نے پہلے روز یہ بات نہیں کہی نادرشاہ نے پہلے ڈاکہ کے وقت یہ بات نہیں کہی، تیمور اور بابر اپنے قبائل سے مصروفِ پیکار تھے تو انہوں نے اُس وقت یہ نہیں کہا کہ ہم ہندوستان کو فتح کریں گے مگر محمد ﷺ نے پہلے دن جب کلمہ طیّبہ کا اعلان کیا، اسی دن یہ بھی کہہ دیا کہ میں اور میرے اَتباع ساری دنیا کو فتح کریں گے اور یہ تقدیر کا ہی کام تھا۔ یہ شرعی تغیرات کے نتائج تھے۔ یورپ کے لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کے طبعی اسباب ثابت کریں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایران کی سلطنت اس وقت کمزور ہو رہی تھی، عرب لوگ آوارہ تھے اس لئے رسول کریم ﷺ کو کامیابی ہوگئی مگر کیا یہ چیزیں ہمیشہ موجود نہیں ہوتیں پھر کیوں اوروں کو بھی ایسی فتوحات حاصل نہیں ہو جاتیں۔ کیا آج ایران کمزور نہیں پھر کیوں اسے فتح نہ کر لیا گیا؟ بے شک ہز مجسٹی رضا شاہ نے اس پر قبضہ کیا مگر اس طرح کہ پہلے وہ ترقی کرتے کرتے کمانڈر انچیف بنے اور پھر بادشاہ ہو گئے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو تو آپ کی قوم سپاہی بھی نہ بناتی تھی۔ پھر آج ایران میں خانہ جنگی تھی مگر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے مکہ والوں میں کامل اتحاد تھا۔ پس یہ شرعی تغیرات کا نتیجہ تھا کہ آپ کامیاب ہو گئے اور یہی نتائج انبیاء کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں طبعی نتائج نہیں ہوتے۔ وہ تو ظاہر ہو ہی رہے ہوتے ہیں ان کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا مأمور مبعوث کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اِس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول کریم ﷺ کا بروز بنا کر بھیجا ہے وہی وعدے آپ کی جماعت کے لئے ہیں جو صحابہ کے لئے تھے۔ قرآن کریم میں آپ کی بعثت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی جماعت براہ راست رسول کریم ﷺ کے صحابہ کی جماعت سمجھی جائے گی۔ وہی وعدے ہمارے لئے ہیں اس لئے وہی تغیرات ہمارے لئے ہونگے جو صحابہ کے لئے ہوئے مگر ان کے لئے اسی پاکیزگی اور محبت کی ضرورت ہے جو انسان کی حالت کو بالکل بدل دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ جسمانی تناسخ درست نہیں مگر روحانی تناسخ درست ہے مگر اس طرح نہیں کہ انسان حیوان بن جائیں

اورحیوان انسان بلکہ اس طرح کہ کئی لوگ جو بندروں اور سؤروں والی عادات رکھتے ہیں وہ روحانی رنگ میں ترقی کر کے آدمی بن جاتے ہیں اور کئی آدمی عادات کی خرابی کی وجہ سے حیوان بن جاتے ہیں ۔ ہزار ہا لوگ گندے ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے اور وہ جون بدل لیتے ہیں ۔ ہماری جماعت میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو پہلے شرابیں پیتے ، چوریاں کرتے اور ڈاکے ڈالا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ ایک شخص بیعت کرنے آیا تو میں نے اس سے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا پہلے تو میں چوروں کا بادشاہ تھا جب تک جوان تھا چوروں کا سردار تھا اور جب بوڑھا ہو گیا تو چور خود بخود اس خوف سے کہ میری امداد کے بغیر وہ گرفت سے نہیں بچ سکیں گے اور کامیاب نہ ہو سکیں گے میرے گھر آ کر مجھے حصہ دے جاتے تھے ۔ ایسی ہزاروں مثالیں ہیں کہ اصلاح کے بعد پہلا آدمی بالکل بدل گیا اور اسکی جگہ نیا آدمی بن گیا حتّٰی کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پہلا اور دوسرا ایک ہی آدمی ہے اور ایسی ہی اصلاح ایسے فضلوں کا وارث بنایا کرتی ہے جو رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ پر نازل ہوئے ۔ بے شک ہماری جماعت میں ایسے ہزاروں لوگ ہیں جنہوں نے یہ اصلاح کی مگر جماعت تو لاکھوں کی ہے اور باقی جو ایسی اصلاح نہیں کرتے وہ ایسے ہی ہیں جیسے تیرنے والے کے گلے میں پتھر باندھ دیا جائے ۔ کمزور افراد جماعت کی ترقی میں روک ہو جاتے ہیں جیسے نفس کے مدارج ہیں اسی طرح انسانوں کے بھی ہیں ۔ ایک نفسِ مطمئنہ ہے ۔ اس کی مثال ایسے لوگوں کی ہے جو قربانی کا جب ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر مسلسل کرتے چلے جاتے ہیں ۔ ایک نفسِ لوّامہ ہے ۔ اس کی مثال ان لوگوں کی ہے کہ جب کبھی تقریریں سنتے ہیں ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں یا قرآن کریم یا حدیث کا درس سنتے ہیں تو ان کے اندر قربانی کے لئے ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور وہ قربانی کرنے بھی لگ جاتے ہیں مگر پھر کچھ عرصہ کے بعد سُست ہو جاتے ہیں ۔ ان کی مثال کارک کی سی ہوتی ہے جو کبھی ڈوب جاتا ہے اور کبھی تیرنے لگتا ہے ۔ تیسرا نفسِ امّارہ ہے جس کی مثال پتھر کی ہے ۔ اسے جب پانی میں ڈالا جائے فوراً نیچے ڈوبتا ہے غرض پہلی قسم کے لوگ کشتی کی مانند ہیں جو پانی پر ڈالے جانے کے بعد کبھی نیچے نہیں جاتی ۔ دوسری قسم کے کارک کی مانند ہیں جو کبھی اوپر آ جاتا ہے اور کبھی نیچے ۔ اور تیسرے پتھر کی مانند ہیں جو نیچے جا ڈوبتا ہے اور جس قوم میں اتحاد ہو اس کے لئے یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ کمزور دوسروں کو بھی نہ لے ڈوبیں جیسے کشتی اگر علیحدہ ہو ، کارک علیحدہ اور پتھر علیحدہ تو کسی کو

دوسرے سے نقصان کا احتمال نہیں لیکن اگر کشتی سے بہت سے کارک بندھے ہوں اور ان سے سلیں تو کشتی خطرہ سے محفوظ نہیں سمجھی جا سکتی۔ اتحاد کے جہاں فوائد ہیں وہاں یہ نقصان بھی ہے۔ میں نے علمی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو لوگ ڈوبنے والوں کو بچانے کے لئے جاتے ہیں، وہ اکثر خود ڈوب جاتے ہیں۔ ڈوبنے والے کو چونکہ ہوش تو ہوتا نہیں وہ بچانے والے کو ایسا زور سے پکڑتے ہیں کہ ساتھ ہی لے ڈوبتے ہیں اس لئے لکھا ہے کہ ڈوبنے والے کے منہ کی طرف نہ جاؤ بلکہ پیٹھ کی طرف سے دھکے مار کر کنارے پر لے آؤ۔ تو کمزور طبائع کے لوگ ہمیشہ جماعتی ترقی میں روک ہوتے ہیں ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں جماعت کی صحیح طاقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک تحریک کی جاتی ہے اور ایسے جوش کے ساتھ اس پر جماعت کی طرف سے لَبَّیْکَ کہا جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے جماعت تھوڑے عرصہ میں ساری دنیا کو فتح کر لے گی لیکن چھ ماہ کے ہی بعد خاموشی ہو جاتی ہے۔ میں نے اس کا پتہ لگایا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کمزور لوگوں کا اثر نزدیک کے دوسرے لوگوں پر پڑتا ہے اور ان کا آگے دوسروں پر، حتّٰی کہ سب پر غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے ہم بچپن میں ایک کھیل کھیلا کرتے تھے۔ سو پچاس اینٹیں قریب قریب کھڑی کر کے پھر ایک کو دھکا دے دیتے تو سب کی سب گر جاتیں۔ اسی طرح جماعت میں جو لوگ سست ہوتے ہیں ان کا حال ہوتا ہے ایک کی کمزوری دوسرے پر اثر کرتی ہے اور دوسرے کی تیسرے پر۔ اس لئے اگر سب میں سے اچھے لوگوں کو نکال لیں تو اس صورت میں گو قربانی کم ہو سکے گی مگر جو بھی ہوگی مستقل ہوگی اور ہم چادر دیکھ کر پاؤں پھیلا سکیں گے موجودہ صورت میں تو کمزور پتہ نہیں لگنے دیتے کہ ہماری چادر کس قدر لمبی ہے سمجھ لیا جاتا ہے کہ جماعت مثلاً دو لاکھ ہے اور دس لاکھ روپیہ دے سکتی ہے اور اس اندازہ کے مطابق ایک کام شروع کر دیا جاتا ہے مگر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے پچاس ہزار کسی کام کے نہیں ہیں اور اس طرح پچاس ہزار کا بجٹ بیچ میں سے خارج کرنا پڑتا ہے اور اس کا ۱/۴ حصہ کے نکل جانے کی وجہ سے کام رہ جاتا ہے تو کمزوروں کی اصلاح ضروری ہے۔ آگے کمزوروں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک منافق ہوتے ہیں اور ایک ہوتے تو مخلص ہیں مگر ان پر مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اگر ہمت دلائی جائے اور جوش پیدا کیا جائے تو وہ اُٹھ سکتے ہیں ایسے لوگوں کو اُٹھانا مشکل نہیں ہوتا بشرطیکہ جو ہوشیار ہیں وہ اپنا فرض ادا کریں۔ قرآن کریم میں بار بار آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو

زندہ کرتا ہے اور زندوں کو مارتا ہے، ظلمت سے نور پیدا کرتا ہے اور نور سے ظلمت، دن سے رات اور رات سے دن ۔غور کرنا چاہئے کہ بار بار یہ کیوں بتایا گیا ہے ۔ یہ چیزیں تو ہم ہر روز دیکھتے ہیں ان کے ذکر کا کیا فائدہ تھا۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ مُردہ نطفہ سے زندہ بچے پیدا ہوتے ہیں اور زندہ لوگ مر جاتے ہیں۔ اس ذکر کی غرض یہی ہے کہ جس طرح تم یہ دیکھتے ہو اسی طرح روح کی حالت ہے ۔ وہ روح جو مُردہ ہو پھر زندہ ہوسکتی ہے اور جو روح زندہ ہو وہ بعض اسباب سے مُردہ ہوسکتی ہے اسی طرح تاریک قلب نیک تغیرات سے منور ہوسکتا ہے اور روشن قلب بُرے اثرات سے سیاہ ہوسکتا ہے ۔ پس یہ مت گمان کرو کہ احتیاط سے روح کو مُردنی سے بچایا نہیں جا سکتا ۔ اگر کوئی ایسی سواری ہو جو سورج کی روشنی جتنی ہی تیز چل سکے اور اس پر انسان سوار ہو جائے تو وہ رات کے اندھیرے سے بچ سکتا ہے اور اس پر کبھی تاریکی نہیں آئے گی ۔ اسی طرح اگر کوئی گناہ میں ایسا تیز ہو کہ رات کے ساتھ ساتھ چلے تو کوئی نور اس تک نہیں پہنچ سکتا ۔ درمیانہ درجہ میں کبھی دن ہو جاتا ہے اور کبھی رات ۔ جو روح ہمیشہ تاریکی میں ہی رہتی ہے وہ نفسِ امّارہ ہے جس پر کبھی دن آجائے اور کبھی رات وہ نفسِ لوامہ ہے اور جو ہمیشہ ہی نور میں رہے وہ نفسِ مطمئنہ ہے اور درمیانی حالت والا اپنے اندر ضرور تغیر پیدا کرسکتا ہے بلکہ ہمیشہ اندھیرے میں رہنے والا بھی اگر کھڑا ہو جائے کہ میں نے اس تاریکی کو ختم کرنا ہے تو وہ بھی نور حاصل کرسکتا ہے ۔ پس جو لوگ اس خیال کے ہیں کہ کمزور ہمارے لئے بوجھ ہیں میں ان کو بتاتا ہوں کہ ان کی بھی اصلاح ہوسکتی ہے ۔ باقی رہے منافق سو اِن کا بوجھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر نہیں رکھا ہاں جو لوگ اخلاص سے سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں مگر گناہوں میں مبتلاء ہیں ان کی اصلاح ہمارے ذمہ ہے ان کے اندر جب حرکت پیدا ہو جائے گی تو نور خود بخود آجائے گا۔ کوئلہ کاربن گیس کی منجمد شکل ہوتا ہے ۔ اسے جب گرمی دے کر گیس یا دُھواں بنایا جاسکتا ہے اور کوئلہ سے جو گیس نکلتی ہے اسے اگر ذرا گرمی دے کر روشن کیا جا سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیاہ دل مؤمن کے اندر حرکت پیدا کی جائے اور وہ نور حاصل نہ کر سکے ۔ گزشتہ اتوار کو ہی میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک عربی کا شعر پڑھ رہا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ گویا مجھ پر وہ الہام ہوا ہے اور یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہی شعر یا ایسا ہی کوئی دوسرا شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی الہام ہوا تھا جب میری آنکھ کھلی تو وہ شعر میری زبان پر تھا مگر افسوس کہ ایک مصرعہ یاد رہ گیا دوسرا بھول گیا۔ وہ مصرعہ یہ ہے۔

تَـــاْتِـــیْ اِلَیْکَ الـــرُّوْحُ کَـــالـدُّخَـــانِ

یعنی انسان کی روح دُھوئیں کی طرح تیری طرف آتی ہے۔

دوسرا مصرعہ مجھے یاد نہیں رہا لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ تُو جب اسے چھود یتا ہے تو وہ سورج کی طرح یا سورج سے بھی زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ پس چاہیئے کہ انسان خواہ کوئلہ کی گیس بن کر اُڑے مگر اُڑے ضرور، پھر جہاں بھی آگ ہوگی اُسے لے لے گی۔ ضرورت کوشش کی ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے روشن بنا دیتا ہے۔

انسانی روح میں اللہ تعالیٰ نے یہ مادّہ رکھا ہے کہ جب وہ تَـاْتِیْ اِلَیْکَ الرُّوْحُ کَالدُّخَانِ پر عمل کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے نور بخش دیتا ہے۔ ایک انسان گناہوں میں مبتلاء ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے اب رات کو دن سے بدلنا ہے وہ گیس کی طرح اُڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور جا گرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے چھوتا ہے اور وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے کہ اَللّٰـــهُ نُـوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [8] دنیا میں سب روشنیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ باقی سب دُھواں ہی دُھواں ہے۔ اور جب دُھواں اللہ تعالیٰ کے قریب جا پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ جھٹ اسے روشنی سے بدل دیتا ہے کئی لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہوگا کہ جب شمع کو یا لیمپ کو پھونک مار کر بجھاؤ تو اس میں سے جو دُھواں اس وقت نکلتا ہے اگر اُسی وقت اُسے دِیا سلائی دکھائی جائے تو بتّی کو دیا سلائی لگے بغیر بتّی جل جاتی ہے اور آگ کسی قدر فاصلہ سے ہی اسے پکڑ لیتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دُھوآں روشنی سے بدلنے کی قوی طاقت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تاریک روحوں کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ ضرورت صرف استقلال کی ہوتی ہے اس لئے چاہیئے کہ جو زندہ روحیں ہیں وہ اور بھی زندگی اپنے اندر پیدا کریں اور جو مُردہ ہو چکی ہوں وہ مایوس نہ ہوں۔ جب تک ہمارے دوستوں کے اندر یہ روح پیدا نہ ہوگی کامیابی محال ہے مگر میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے دوستوں کے اندر یہ مرض ابھی تک باقی ہے۔

گزشتہ سال کے خطبات کے بعد میں سمجھتا تھا کہ اب کئی سال تک جماعت کو جگانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی مگر ابھی آٹھ ماہ ہی گزرے ہیں کہ سستی پیدا ہونے لگی ہے۔ ایک دو ہی دن ہوئے میں نے ایک رنگ میں بات کی تھی مگر ناظر صاحب بیت المال نے خیال کیا کہ میں نے کہا ہے کہ میں

تحریک جدید کیلئے اس سال چندہ کی تحریک نہیں کروں گا اور وہ اس بناء پر بہت خوش ہوئے کہ اس تحریک سے چندہ عام کی ادائیگی میں سُستی پیدا ہوگئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کارکن جماعت کے سُستوں کا بوجھ محسوس کرنے لگ گئے ہیں لیکن میں نے گزشتہ سال یہ اعلان کر دیا تھا کہ اب میں سُستوں کی پرواہ نہیں کروں گا اور جو مستعد ہیں اُن کو آگے لے جاؤں گا۔ ہم سونے والوں کو جگائیں گے مگر جو نہیں جاگیں گے ان کو چھوڑتے جائیں گے۔ پچھلے سال میں نے بتایا تھا کہ میں نے جس قربانی کا مطالبہ کیا ہے یہ بہت ہی کم ہے۔ آئندہ کے لئے جو سکیم میرے مدّنظر ہے وہ بہت بڑی قربانیوں کا تقاضا کرتی ہے اور اب یہی ہوگا کہ کمزوروں کے متعلق ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور جو باقی ہیں ان کو آگے بڑھالے جاؤں گا اور اس صورت میں خواہ دس آدمی بھی میرے ساتھ ہوں انجام کار فتح انہی کی ہوگی۔

پس ان معاملات میں اب مَیں نہ ناظروں کی پرواہ کروں گا نہ انجمن کی ، نہ افراد کی اور نہ جماعتوں کی اور نہ مشوروں سے کام کروں گا۔ اب تو یہی ہے جو ہمارے ساتھ چل سکتا ہے چلے اور جو نہیں چل سکتا وہ پیچھے رہ جائے۔ اِس پوزیشن میں اب میں کوئی تبدیلی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں حتّٰی کہ فتح کا دن آجائے اُس وقت تک میں اب کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ڈرانا نہیں چاہئے مگر میں کہتا ہوں کہ جو ڈرنے والے ہیں وہ بے شک ڈر جائیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تین سال کی شرط ہی ضروری نہیں، ممکن ہے کہ یہ تحریک مستقل ہی ہو اور اس سے بھی زیادہ قربانیوں کی ضرورت پیش آئے جو ان کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتا ہے وہ الگ ہو جائے اب قربانیوں کا مطالبہ زیادہ سے زیادہ ہو گا اور جو اس کو بوجھ سمجھتا ہے وہ نہ اُٹھائے حتّٰی کے جو اُنگلی اُٹھا کر بھی کوئی اعتراض کرے گا میں اسے جماعت سے علیحدہ کر دوں گا۔ بیشک مشوروں میں مَیں اب بھی دوسروں کو شامل کروں گا لیکن کروں گا وہی جو مجھے خدا تعالیٰ سمجھائے کیونکہ اب جنگ کا زمانہ ہے جب کمانڈر انچیف وہی کرتا ہے جسے ضروری اور مناسب سمجھتا ہے اور بے ہودہ بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرتا۔

میں ڈراتا نہیں ہوں لیکن جو ڈرتا ہے وہ بیشک ڈر جائے۔ میں صرف یہ بتاتا ہوں کہ کمزور اگر چاہیں تو طاقت حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ دُھویں کو نور میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر کسی کے دل میں خوف ہے یا وہ کمزوری محسوس کرتا ہے یا شکوک ہیں تو وہ مت سمجھے کہ نور حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر تمہارے

گرد گناہوں نے گھیرا کرلیا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف جھک جاؤ کیونکہ جو خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے خدا اسے مُردنی کی حالت میں نہیں رہنے دیتا۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص خدا کی طرف جھکے اور خدا اسے پرے ہٹا دے۔ یہ تو ایسی معمولی بات ہے کہ کوئی شریف آدمی بھی نہیں کرسکتا۔ پس اگر کسی کے دل میں قربانی سے ڈر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قربانی کر ہی نہیں سکتا۔ کسی کے پاس اگر روپیہ نہیں تو وہ ہاتھ سے مدد کرسکتا ہے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو زبان سے دعا کرسکتا ہے اگر زبان سے بھی دعا نہیں کرسکتا تو دل ہی دل میں دعا کرسکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی بُرا کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے، اگر ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے ہی منع کر دے اور اگر یہ بھی نہ کرسکتا ہو تو دل میں ہی بُرا منائے۔[۹] اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے سامان رکھے ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ جس کے پاس کچھ نہیں وہ دعائیں ہی کیا کرے۔ پس اگر دل پر زنگ ہے تو یہ مت خیال کرو کہ وہ دُور نہیں ہوسکتا اپنے آپ کو دُھواں بنا کر خدا تعالیٰ کے دروازے پر جا گراؤ اور مایوس مت ہو کہ جو مایوس ہوتا ہے وہ شیطان ہے۔ فرشتوں نے بھی کہا تھا کہ آدم دنیا میں فساد پھیلائے گا مگر جب خدا نے کہا کہ سجدہ کرو تو وہ سجدہ میں گر گئے اور سجدہ دعا ہی ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مایوس نہ تھے اور سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نقصان سے دنیا کو بچا سکتا ہے مگر شیطان مایوس تھا اور اس نے سجدہ نہ کیا۔ پس فرشتوں کی طرح خدا کے پاس برتن لے کر جاؤ۔ پھر خدا تمہیں خالی ہاتھ نہ آنے دے گا۔

(الفضل ۲۷؍اگست ۱۹۳۵ء)

---

۱ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۲ ٹینٹوا: گلا۔ ٹینٹوا دبانا۔ گلا گھونٹنا۔ عاجز کرنا۔ سخت تقاضا کرنا

۳ التوبہ: ۴۰

۴ سیرت ابن ہشام جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۹ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵ سیرت ابن ہشام جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۸، ۱۲۹۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۶ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع + شرح مواھب اللدنیہ جلد ۱۔ صفحہ ۵۳۰۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۶ء

۷ تاریخ طبری جلد ۴۔ صفحہ ۳۲۲ تا ۳۲۵۔ بیروت ۱۹۸۷ء

۸ النور: ۳۶

۹ مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان